حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ

اکابر علمائے دیوبند رُحَماءُ بَیْنَھُمْ کی تصویریں

اسوۃ الاکابر ھدایۃ للاصاغر

امور متواترہ اور متوارثہ کے سوا ہر مسئلہ میں اختلاف رائے کا امکان ہے اور اس کا وقوع گاہ بگاہ ہوتا رہتا ہے۔ ہمارے اکابر میں بھی ایسے کئی واقعات کا ظہور ہوا ہے مگر اس میں اھواءِ نفسانی کا کوئی دخل نہ تھا۔ بلکہ خلوص اور للہیت پیش نظر تھی جس کو جس نے بہتر سمجھا اسے اپنایا مگر حدود سے تجاوز نہیں فرمایا۔ صرف چند واقعات پیش ہیں تاکہ ہم اصاغر کے لئے راہ نما بن جائیں۔ بتوفیقہ تعالیٰ وعونہ۔

(۱) جب دارالعلوم دیوبند میں ایک اہم انتظامی مسئلہ کی وجہ سے اکابر اساتذہ (جو کہ دارالعلوم کا روح اور جوہر تھے) مستعفی ہوگئے۔ جن میں محدث کبیر حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیری۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن۔ بابا سراج احمد رشیدی۔ مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی۔ مولانا محمد عتیق الرحمان عثمانی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔ تو اس وقت کے بالغ النظر وسیع التجربۃ مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ صدر مہتمم اور مجلس شوریٰ نے اس عظیم بھنور میں پھنسی ہوئی کشتی کو ساحل مراد تک سلامتی کے ساتھ پہنچانے کے لئے جس کشتی بان کا انتخاب کیا وہ حسین احمد مدنی تھا (نوراللہ مرقدہ) حضرت مدنی دیوبند تشریف لے آئے اور تدریس کا کام شروع کیا تو چند طلباء جن میں مولانا سید محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ بھی تھے۔ حضرت شاہ صاحب سے درخواست کی کہ آپ کسی بھی وقت شاہ منزل میں ہمیں بخاری شریف پڑھا دیا کریں۔ اس کے جواب میں حسب ارشاد علامہ بنوریؒ شاہ صاحب نے فرمایا:۔

" یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرا بھائی مدنی مدرسہ میں پڑھائے اور میں گھر میں پڑھاؤں "!

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت شاہ صاحب اور ساری جماعت نے کئی ہزار میل ایک گمنام قصبہ ڈابھیل کو گلشن علم اور مرکز فیوض تو بنانا گوارا کر لیا مگر دارالعلوم کا مقابلہ نہ فرمایا۔ نوراللہ قبورہم

چونکہ اس گناہ گار کو حضرت شاہ صاحب اور دیگر اساتذہ کے ساتھ ڈابھیل کے آخری سفر میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے اس لئے اس سفر کی تکلیفات کا مختصر سا نقشہ درج کرتا ہوں کہ

" دیوبند سے تقریباً تین دن رات ریل چل کر سورت کے جنکشن پر سحری کو پہنچی۔ اساتذہ نے خصوصاً حضرت شاہ صاحب نے لکڑی کے بنچ پر تہجد پڑھ کر ذکر جلی فرمایا۔ تھوڑی دیر بعد چھوٹی لائن سے چند گھنٹوں کے بعد مروّلی اسٹیشن پر پہنچے۔ وہاں سے بس میں سوار ہو کر کچی سڑک سے چند گھنٹوں کے بعد ڈابھیل کے مدرسہ میں پہنچے "

حضرت شاہ صاحب بواسیر کے مریض تھے مولانا عثمانی جیسے نازک مزاج اور دوسرے اکابر نے اس قدر تکلیف دہ سفر کئی سال برداشت کر لیا۔ پھر وہاں کی آب و ہوا خوراک وغیرہ سب غیر مانوس اشیاء تو برداشت کر لیں مگر دیوبند کی مخالفت برائے مخالفت نہ فرمائی نہ کبھی زبان سے ایسا کلمہ ارشاد فرمایا جو ذاتی وجاہت پر اثر انداز ہوتا۔ حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی رحلت پر دارالعلوم دیوبند میں جو تعزیتی جلسہ ہوا اس میں حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے حضرت شاہ صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا :۔

مجھے ایسے لوگ یاد ہیں جن کو صحیحین زبانی یاد ہیں اور ایسے بھی جانتا ہوں جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں مگر جس کو کتب خانہ کا کتب خانہ ہی حفظ ہو وہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کے سوا کوئی نہیں (انوار انوری ص ۴)

(۳) خود دارالعلوم دیوبند میں بعض اساتذہ کرام کا سیاسی مسلک میں حضرت مدنی سے اختلاف تھا مگر اخلاص اور احترام کا یہ حال تھا کہ حضرت مدنی کی دل شکنی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اختصاراً صرف ایک ہی مثال درج کرتا ہوں۔

" مولانا شبیر احمد عثمانی کے برادر بزرگ مولانا مطلوب الرحمن عثمانی جو سیاسی نظریات سے حضرت مدنی کے خلاف تھے۔ مگر حضرت مدنی کے احترام اور عزت افزائی کی وجہ سے ولایتی کپڑے کی بجائے دیسی کھدر کا لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ :۔

" میں محض مولانا کی تکلیف کے خیال سے کھدر پہنتا ہوں میں اسے ضروری نہیں سمجھتا مولانا مدنی کا دل جتنا روشن ہے آج اتنا کسی کا نہیں تم یا اور کوئی کیا جان سکتا ہے کہ مولانا حسین احمد کیا ہیں اور ان کا کیا مقام ہے "

(ماہنامہ برہان دہلی اگست ۶۰ء ص ۷۶)

ف۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کو ہر انگریزی چیز سے نفرت تھی خصوصاً ولایتی کپڑے کے لباس سے اس قدر نفرت تھی کہ جس میت کا کفن لٹھے کا ہوتا اس کی نماز جنازہ نہ پڑھاتے تھے اس لئے اکثر احباب حضرت کی خوشی کے لئے بعض مواقع پر کھدّی کا بنا ہوا کھدر استعمال کرتے تھے۔ ۱۹۴۲ء میں جمعیۃ العلماء ہند کی سالانہ کانفرنس لاہور میں منعقد ہوئی جس میں اکابر علماء کرام جمع تھے مولانا عبدالمالک صدیقی مرشد العلماء بھی تشریف لائے اور دیسی کھدر کا نہ صرف لباس زیب تن تھا بلکہ دستمال بھی خالص کھدر کا تھا۔ ایک محفل میں جس میں یہ گناہ گار بھی شریک تھا آپ نے فرمایا کہ چونکہ مولانا مدنی سے ملاقات ہوگی اس لئے سارا لباس دیسی کھدر کا سلا ہوا کر پہنا ہے "

(۳) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا مدنی کے سیاسی مسلک میں بعد المشرقین تھا مگر اخلاص کا یہ حال تھا کہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا :۔

" اس وقت اپنے عقیدے میں دیوبند کی صدارت تدریس کے لئے آپ کو احق ہی سمجھتا ہوں پھر آپ سے کیسے کینہ کپٹ رکھ سکتا ہوں ؏

کفراست در طریقت ما کینہ داشتن

آئین ما است سینہ چو آئینہ داشتن

جو الفاظ آپ کی شانِ گرامی کے خلاف لکھے گئے ہیں ان سے کریمانہ مسامحت فرماویں ؏

بھلا دو میرے منہ سے بات گر کوئی نکلی

یہ بیدردی ہے کہنا آہ بسمل بے سری نکلی

(تجلیات عثمانی ص ۶۷)

جب حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر دارالعلوم دیوبند میں تعزیتی جلسہ ہوا تو اس میں حضرت مدنی نے مولانا عثمانی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا :۔

" حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کی شخصیت بے مثال تھی علم و فضل میں آپ کا پایہ بلند تھا اور ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے تھے۔ مولانا مرحوم کے منتخب علم و فضل اور بلند پایہ شخصیت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ علمی طور پر ان کی شخصیت مسلّمہ کل تھی تحریر و تقریر کا خداداد ملکہ مولانا مرحوم کا حصہ تھا۔ اور بہت سی خوبیوں کے حامل تھے۔"

(تجلیات عثمانی ص ۶۶)

(۴) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مدنی کے سیاسی مسلک کا اختلاف بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مگر باقی امور میں قدر شناسی اور احترام کا یہ حال تھا کہ جب مولانا عبدالماجد دریابادی۔ مولانا عبدالباری ندوی کو اپنے ساتھ سفارشی بنا کر لائے اور حضرت مدنی سے بیعت کی درخواست کی تو حضرت مدنی بھی ان کے ساتھ ہو کر تھانہ بھون پہنچے اور مولانا عبدالماجد دریابادی کو بیعت کرنے کے لئے فرمایا۔ بلکہ اکثر اوقات لوگوں کو یہی مشورہ دیا کرتے تھے۔ جب بعض مفسدہ پردازوں نے زبان درازی کی تو حضرت مدنی نے ارشاد فرمایا۔

" حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کو میں نہ صرف صحیح مسلمان ہونے کا معتقد ہوں بلکہ ان کو بہت بڑا عالم باعمل صوفی کامل جانتا ہوں۔ ہاں ان کی رائے دربارۂ تحریک آزادی ہند غلط سمجھتا ہوں اس بارہ میں میرا یقین کامل ہے کہ میرے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے استاد حضرت

شیخ الہند قدس سرۂ العزیز کی رائے نہایت صحیح اور واجب الاتباع تھی۔ یہ غلطی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اجتہادی غلطی جانتا ہوں جس کی وجہ سے حضرت تھانوی مرحوم کی شان میں نہ گستاخی کرتا ہوں اور نہ کسی کی گستاخی کو روا رکھتا ہوں"۔

(مکتوبات شیخ الاسلام ج ۳ ص ۳۰۰)

اپنے ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں :-

" مولانا تھانوی کے مواعظ بہت مفید ہیں ضرور ان کا مطالعہ رکھیں علیٰ ہذا القیاس ان کی کتاب تربیۃ السالک بھی مفید ہے"۔ (کتاب مذکور ص ۶۷)

ادھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب حضرت مدنی کو مراد آباد جیل میں قید کر دیا گیا۔ تو حضرت تھانوی نے گرفتاری کی خبر سنکر اس دن اپنی خانقاہ کے سارے معمولات ترک کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

" مجھے اب محسوس ہوا ہے کہ مولانا حسین احمد کی میرے دل میں اتنی محبت ہے"۔

جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا علم ہوا کہ کچھ حرماں نصیب حضرت مدنی کی شان رفیع میں گستاخی کر رہے ہیں اور آپ پر قاتلانہ حملے ہو رہے ہیں تو آپ نے فرمایا :-

" مولانا مدنی کی مخالفت کرنے والوں کے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے جو لوگ حضرت شیخ الاسلام سے عناد و مخالفت رکھتے ہیں وہ اب بھی توبہ کر کے اپنے حسن خاتمہ کی طرف توجہ دیں"۔

(ماہنامہ الصدیق ملتان رجب ۷۹ھ ص ۳)

(۵) حضرت مولانا محمد الیاس صاحب تبلیغی جماعت کے بانی تھے آپ کی جماعت لفظ سیاست کو بولنا بھی پسند نہیں کرتی۔ اور ان کی ساری تعلیم چھ نمبروں میں منحصر ہے مگر حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نہ صرف خود اس جماعت میں شرکت فرماتے تھے بلکہ اپنے مسترشدین کو اس جماعت میں شریک ہو کر تبلیغی کام کرنے کی ترغیب دلاتے تھے جیسا کہ آپ نے ایک مرید پروفیسر سید احمد شاہ صاحب کو تحریر فرمایا :-

" تبلیغی خدمات کو انجام دینے اور اس کے لئے مولانا محمد الیاس صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ہدایات حاصل کرنے کا مبارک قصد ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور پھر توفیق عطا فرماوے کہ آپ اس عظیم الشان خدمت کو بلکہ اپنی خاندانی وراثت کو بخیر و خوبی انجام دیں۔

(مکتوبات شیخ الاسلام ج ۲ ص ۶۳)

ادھر مولانا محمد الیاس کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو :-

" مولانا حسین احمد کی سیاسی رائے میری سمجھ سے بالاتر ہے اگر میں اس سے اتفاق کرتا تو ان

کی کفش برداری کرنا مگر میں حضرت مدنی کی ذات کے خلاف کوئی کلمہ اپنی زبان پر لاکر جہنم کی آگ خریدنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میں اللہ کے نزدیک ان کے مرتبہ سے آگاہ ہوں اس قسم کا حوصلہ وہی کرسکتے ہیں جو حسین احمد کے درجہ اور مقام سے واقف نہیں اور نہ قرآنی اخلاق کے اسلامی حدود سے بہرہ ور ہیں"۔

مندرجہ بالا چند واقعات تو وہ ہیں جو ہمارے اکابر کے باہمی اختلاف رائے کے باوجود رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ کا مظہر ہیں۔ اس سے بڑھ کر ہمارے اکابر نے تو غیر علماء کو بھی اپنے عناد اور ضد کا نشانہ نہیں بنایا بلکہ اختلاف رائے کو اختلاف تک محدود رکھا مخالفت یا مخاصمت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ کون نہیں جانتا کہ برصغیر کی تقسیم سے پہلے ہمارے اکابر خصوصاً شیخ العرب والعجم کے خلاف نہ صرف طوفان بے تمیزی برپا کیا گیا بلکہ ان پر قاتلانہ حملے ہوئے ان کی ذات گرامی کو طعن و تشنیع، بہتان و افتراء کا نشانہ بنایا گیا حتیٰ کہ غیر سیاسی اکابر علماء کو بھی یہ فہمائش کرنی ضروری ہو گئی۔

" مذہب اور دین کی حمایت کا نام لے کر عوام کو جوش دلانا اور ان سے اپنا کام نکالنا غلط راہ نمائی ہے جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کو ضبط، صبر، ڈسپلن، تنظیم، استقامت تحمل، برداشت ایثار باہمی ہمدردی عملی وحدت اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی جائے جو سیاست کی جنگ کے سب سے کارگر ہتھیار ہیں۔ صرف زبانی جوش و خروش گرما گرم محفل اور اخباری بحث اور براہ راست دست و گریبان ہونا قوم کی طاقت نہیں۔ ہماری بحثوں کا موضوع مسائل کا صواب و خطا ہونا چاہیئے۔ نہ کہ اشخاص کے محاسن اور معائب کا اظہار"

(ارشادات سید سلیمان ندویؒ مندرجہ معارف)

مگر اسی حسین احمد نے تقسیم کے بعد پاکستان کے حق میں فرمایا:۔

" جب تک کسی جگہ مسجد نہ بنے جگہ کے متعین کرنے میں تو اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر جب مسجد بن جائے تو پھر اس کی حفاظت اور اس کی حیثیت کو تسلیم کرنا ضروری ہو جاتا ہے"۔

(انوار مدینہ)

یعنی حضرت مدنی نے پاکستان کو مسجد کے ساتھ تشبیہ دی۔

جب قائداعظم محمد علی جناح کا انتقال ہوا تو آپ نے بہ حیثیت صدر جمعیۃ العلماء ہند فاطمہ جناح صاحبہ کو تعزیت کا تار ارسال فرمایا۔

پاکستان کے پہلے وزیراعظم نواب زادہ لیاقت علی خان نے ۴۶ء کے الیکشن میں حضرت مدنی کے متعلق جو کہا تھا اس زمانے کے اخبارات آج بھی موجود ہوں گے مگر جب آپ کے سامنے لیاقت علی خان کی موت کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا:۔